

# صبر کا موقع

یحییٰ بن وثاب ایک بوڑھے صحابی کے واسطے سے (جن کا نام نہیں لیا) حضور اکرمؐ کا ایک ارشاد یوں نقل کرتے ہیں:

المسلم الذی یخالط الناس ویصبر علیٰ اذاهم خیر من الذی لا یخالط الناس ولا یصبر علیٰ اذاهم۔ (رواہ الترمذی وریاض السنتین)  
وہ مسلمان جو لوگوں سے گھل مل کر رہے اور ان کی اذیتوں پر صبر کرے اس شخص سے بہتر ہے جو لوگوں سے کٹا ہوا رہے اور ان کی ایذاؤں پر صبر نہ کرے۔

انسان کی زندگی بہت سے متضاد عناصر کا مجموعہ ہے جس طرح اس میں قاب بھی ہے اور بقا بھی، تعمیر بھی ہے اور تباہی بھی۔ ظاہر بھی ہے اور باطن بھی اسی طرح اس کی زندگی میں خلوت بھی ہے اور جلوت بھی۔ انفرادیت بھی اور اجتماعیت بھی۔ خلوت یا انفرادیت کا ہونا بھی ضروری ہے لیکن یہ مقصود نہیں۔ مقصود جلوت اور اجتماعیت کی زندگی ہے۔ انفرادیت اس لئے ہے کہ اجتماعیت کے کام آئے اور جس کی انفرادیت جتنی زیادہ اجتماعیت کے کام آئے گی اسی قدر اجتماعیت بھی اس کی انفرادیت کو قوی و محکم کرتی چلے جائے گی۔ خلوت بھی دراصل ایک تیاری ہے جلوت کی زندگی کے لئے۔ اگر ساری عمر خلوت نشینی ہی کی زندگی گزار لی جائے تو یہ نہ فقط کہ خلاف سنت نبویؐ ہے بلکہ یہ کچھ فعل عبث سا ہو جاتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی برتن کو تیلی پر قلعی کئے جانا، اس کی صفائی پر صفائی کئے جانا مگر اس سے کوئی مصرف نہ لینا۔

حضورؐ کی زندگی میں خلوت کا عنصر بھی یقیناً پایا جاتا ہے۔ غار حرا کی زندگی خلوت کی زندگی تھی لیکن کس لئے؟

اس لئے کہ

اُتر کر ہر اسے سوئے قوم آیا اور اک نسخہٴ کیمیا ساتھ لایا

میں خام کو جس نے کندن بنایا کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا

حضورؐ کی زندگی میں اعکاف بھی ہے لیکن اس کی غرض کیا تھی؟ یہ کہ اس تزکیہٴ نفس کو اپنی ذاتِ اقدس

تک محدود نہ رکھیں بلکہ تزکیہٴ ہم دوسروں کو بھی جلوت میں آکر مزکّی فرمائیں۔

ہوتا یہ ہے کہ عام انسانی زندگی میں نقشہ کار خلوت میں بنتا ہے۔ اسکیم تنہائی میں تیار ہوتی ہے۔ اور اس کا عملی ظہور اجتماعی اور جلوتی زندگی میں ہوتا ہے۔ خلوت کی زندگی میں بے تعلق رہ کر متقی و زاہد بن جانا دشوار نہیں۔ صاحبِ خلوت جلوت میں آئے گا تو اس کی وہ اقدار جو اس نے بطریق ریاضتوں کے بعد خلوت میں حاصل کی تھیں قدم قدم پر مجروح ہونے لگیں گی۔ اس وقت پانا دامن بچا کر نکل جانا کمال ہے۔ انسانی اقدار کی پرکھ خلوتی زندگی میں نہیں ہوتی۔ جلوت کی زندگی میں ہوتی ہے جہاں اقدار کا ٹکراؤ اس کے مفادات سے ہوتا ہے۔

ایسے ہی ٹکراؤ کے موقعوں پر مردانگی و صداقت کا امتحان ہوتا ہے جس میں اہل حق کامیاب ہوتے ہیں لیکن بیشتر یہ ہوتا ہے کہ نصب العینی اقدار کے دامن پر اجتماعی ماحول اپنی گندگی کے کچھ نہ کچھ چھینے ڈال ہی دیتا ہے۔ پھر جو جتنا زیادہ حساس ہوتا ہے اور جس کا احساس عینی زیادہ نزاکت کا حامل ہوتا ہے اسی قدر وہ اپنے آئینہ روح پر اس کا زنگ محسوس کرنے لگتا ہے۔ روحانی رنگ پر ہدایت کا زنگ آتے ہی وہ کچھ دیر کے لئے پھر خلوتی زندگی اختیار کر لیتا ہے۔ اس زنگ کے صاف کرتے ہی پھر وہ جلوت میں اپنی حاصل کردہ اقدار کو جلوہ بار کرنے کے لئے غم ٹھونک کر آجاتا ہے۔ اگر آپ غور فرمائیں گے تو نوافل کا یہی فلسفہ نظر آئے گا۔

مومن کی ساری زندگی ہی صلوة ہوتی ہے۔ جب وہ ”دیانت“ کے تقاضوں کے ساتھ مسجد سے باہر کوئی ”دنیوی“ کاروبار کر رہا ہوتا ہے تو اس وقت بھی صلوة ہی ادا کر رہا ہوتا ہے اور اس کی یہ صلوة وہی درجہ رکھتی ہے جو اذان سننے کے بعد مسجد میں نماز ادا کرنے کا ہوتا ہے۔ پھر وہ جب تنہائی میں انفرادی نوافل ادا کرتا ہے تو اس کی اصلی غرض یہی ہوتی ہے کہ بازار کی انتہائی صلوة میں اگر کوئی زنگ پیدا ہو گیا ہو یا مسجد کی جماعتی صلوة میں کوئی کسر رہ گئی ہو تو تنہائی کی ریاضت اس زنگ کو صاف کر دے مگر کیوں؟ اس لئے نہیں کہ وہ مزگی ہو کر بیٹھا رہے بلکہ اس لئے کہ اجتماعی صلوة زندگی میں اور دھرتے سے آسکے۔

غرض خلوت و جلوت میں ایک حسین امتزاج بڑے توازن کے ساتھ ہونا ضروری ہے۔ صرف جلوت بھی غلط اور فقط خلوت بھی غیر صحیح ہے۔ پھر ذریعے کو مقصود اور مقصود کو مفقود کر دینا بھی درست نہیں۔ پھر خلوت سے یا جلوت سے چمٹے رہنا بھی روا نہیں ہے۔ نیز جلوت کو خلوت پر یا اجتماعیت کو انفرادیت پر قربان کر دینا بھی غلط ہے۔

یہی وہ اعلیٰ قدر ہے جو مذکورہ بالا ارشاد نبوی میں بتائی گئی ہے۔ ایک وہ ہے جو اپنی اخلاقی قدروں کو مجروح ہونے سے بچانے کے لئے گوشہ نشین ہو جاتا ہے اور دوسرا وہ ہے جو اعلیٰ تر اخلاقی اقدار کو حاصل کرنے کے لئے جلوتی زندگی میں آتا ہے۔ دونوں کے عوائم اور سمتوں میں برافروغ ہے۔ اول الذکر کا جذبہ صرف یہ ہے کہ

میں دوسروں کی اذیتوں سے محفوظ رہوں اور سلامت رہوں اس لئے وہ سب سے کٹ جاتا ہے، ذرا سوچئے، محض اپنے آپ کو بچانے کے لئے یہ شاندار سپائی کیا اس کی خود غرضی اور بزدلی دونوں ہی کی منظر نہیں؟ پھر بڑی چیز تو یہ ہے کہ ایسا شخص ان تمام مواقع صبر سے محروم ہو جاتا ہے جو انتہا اجر کے ضامن ہوتے ہیں۔ بخلاف اس کے ثانی الذکر وہ بلند حوصلہ، جو ان مرد اور ثابت قدم انسان ہوتا ہے جو جلوت کی زندگی اس لئے اختیار کرتا ہے کہ اجتماعی خیر خواہی کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دے اور اس راہ میں اسے جو مشکلات پیش آئیں انہیں برداشت کرے۔ گالیوں کے عوض دعائیں دے، پتھروں کے عوض پھول برسائے، ایذاؤں کے وقت صبر جیسی اعلیٰ اخلاقی قدر کو اپنائے اور اس طرح دنیا کے سامنے اُسوہ و نمونہ بن کر آئے اور اپنا کام کئے چلا جائے۔ ذرا سوچئے یہ کتنے دل گردے کا کام ہے۔

ولا یلقھا الا الذین صبروا ویلقھا الا ذو حظ عظیم

یہی وجہ ہے کہ حضور نے اسے اول الذکر سے بہتر بتایا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ بعض دورِ فتن ایسے بھی ہو سکتے ہیں جن میں ازدواجی انقطاع بھی ضروری ہو لیکن یہ بھی محض عارضی اور عبوری وقت کے لئے ہوتا ہے نہ کہ زندگی کا مستقل مشغہ۔ ایسے نازک اور عبوری ادوار کے لئے بھی حضور انور نے ہدایات دی ہیں کہ چلنے والا دوڑنے والے سے اور بیٹھے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا۔ ایسے ہی مواقع کے لئے حضور نے فرمایا ہے کہ گھر کا ٹاٹ (احلاس بیوت) بن جاؤ۔ لیکن یہ خوب یاد رکھنا چاہئے کہ یہ حکم خود ہی انفرادی ہے۔ ساری اُمت کے لئے نہیں۔ یہ صرف ان لوگوں کے لئے ہے جن کو یہ یقین ہو کہ جلوت میں آنا کچھ بھی مفید نہ ہوگا یا اُلٹا اتر ہوگا یا جلوت میں آکر اجتماعی اصلاح کرنے کی بجائے خود ان کا انفرادی تزکیہ بھی برباد ہو جائے گا۔ اُمت میں بہر حال ایسے کمزور افراد بھی ہوتے ہیں اور ایسے نازک دور بھی آسکتے ہیں جہاں خلوت نشینی جلوت آرائی سے زیادہ ضروری ہو۔ لیکن یہ اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ یہ ساری باتیں انفرادی یا عبوری ہیں مستقل لائحہ زندگی یہی ہے کہ خلوت کے تزکئے کو جلوت میں آکر استعمال کیا جائے اور اصل مقصود جلوت و اجتماع ہی کو تصور کیا جائے۔

یہاں ایک بڑی ضروری حقیقت یہ بھی سن لینی چاہئے کہ صبر کے معنی مار کھا کر چپ ہو جانا یا آنسو بہانے کے نہیں۔ اس میں تو بزدلی کا بھی پہلو پایا جاتا ہے۔ بلاشبہ زندگی میں بعض مواقع ایسے بھی آتے ہیں جہاں خاموشی ہی صبر کا تقاضا ہوتی ہے۔ لیکن یہ بھی ایک معمولی سا صبر ہے۔ اصل صبر یہ ہے کہ انسان سچے نصب العین پر جا رہے، ڈٹا رہے، اڑا رہے، ثابت قدمی و استقامت اختیار کئے رہے اور دنیا کا کوئی خوف یا طمع

اسے اپنے مقصد سے پیچھے نہ ہٹا سکے۔ اس کی جس متاع عزیز اور جس مفاد کا ٹکراؤ اس کے اس اعلیٰ مقصد سے ہو اسے پھوڑوے اور اسے قربان کر دے مگر اپنے مقصد سے دست بردار نہ ہو۔ یہ ہے دراصل قرآنی صبر کا مفہوم۔ پھر یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ دشمن کی مار کھا کر خاموش ہو جانا بھی صبر نہیں۔ صبر نام ہے اس کا ڈٹ کر پامردی و ثبات قدم کے ساتھ مقابلہ کرنا۔ قرآن پاک میں ہے:

ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین ..... الخ

تم میں بیس صابر ہوں تو دو سو کا فرد دشمنوں پر غالب آجائیں گے

فرمائیے! یہاں مار کھا کر مظلوم صورت بنا لینے اور خاموشی سے رونے والوں کو صابر کہا گیا ہے یا جھم کر لڑنے والوں کو؟ پس یہ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ استقامت اور مقابلے کے موقع پر پورا مقابلہ بھی عین صبر ہے۔ صبر و استقامت کا تو امتحان ہی اس وقت ہوتا ہے جب مقابلہ اعداء ہو۔ جب سردھڑکی بازی لگانی پڑے اور جب جان و مال جیسی متاع عزیز کو قربان کرنا پڑے۔ اور یہ ظاہر اور بالکل ظاہر ہے کہ یہ صبر بھی سراسر خلوت ہی سے تعلق رکھتا ہے۔ خلوت سے نہیں۔ اجتماع سے تعلق ہے۔ افراد سے نہیں۔ پس حضور کا یہ فرمانا بالکل صحیح ہے کہ اذیتوں سے بچنے کے لئے گوشے نشینی کرنے والے سے وہ بدرجہا بہتر ہے جو لوگوں میں گھل جھل کر رہے اور سوسائٹی کے فرائض سے عہدہ برآ ہوتے ہوئے ہر اذیت پر صبر کے مختلف تقاضوں کو پورا کرے۔

## ریاض السنۃ

(مصنفہ محمد جعفر ندوی)

یہ کتاب ان احادیث کا انتخاب ہے جو بلند حکمتوں، اعلیٰ اخلاقیات اور زندگی کو آگے بڑھانے والی تعلیمات پر مشتمل ہیں۔ یہ انتخاب احادیث اپنی نوعیت کی پہلی کوشش ہے۔

صفحات ۵۵۶ - قیمت ۱۰/- روپے

صلۃ کا پتہ

ادارہ ثقافت اسلامید۔ کلب روڈ۔ لاہور